۱۰ بابل کے کھنڈر (دنیا میرے آگے)

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- مختلف تحاریر (روداد، مضامین، سفرنامہ، خطوط، اداریے، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) کو پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کر سکیں۔
- نظم/نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- مختلف تحاریر پڑھ کر ان میں سے عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کر سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر کو پڑھ سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- عبارت پڑھتے ہوئے علامات اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔

لکھنا
- متعلقہ معلومات کی فراہمی کے لیے مختلف دستاویزی فارم مثلاً: داخلہ فارم، شناختی کارڈ فارم، ریلوے رعایت کرایہ فارم، مختلف رجسٹریشن فارمز، رکنیت فارم، پاسپورٹ فارم، بینک اکاؤنٹ فارم، قومی بچت فارم، خدمات افادی فارم وغیرہ پُر کر سکیں۔
- آپ بیتی، سفرنامہ، معلوماتی رپورٹ اور یادداشت کے درمیان فرق کو سمجھتے ہوئے ان کی تحریری تخلیق کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۲۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔

خاص	اِستخوان	آراستہ	خشت	رزمیے	سُنجاب
الفاظ	عظمتِ رفتہ	عینی گواہ	قانون دہندہ	محفوظ الحواس	نفیری

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو آپ بیتی، سفرنامہ، معلوماتی رپورٹ، یادداشت کا فرق بتائیں اور تحریری تخلیق کرنے کی مشق بھی کرائیں۔
- مختلف اداروں کی ویب سائٹ سے مختلف دستاویزی فارمز (داخلہ فارم، شناختی کارڈ فارم، ریلوے رعایت کرایہ نامہ، مختلف رجسٹریشن فارمز، پاسپورٹ فارم وغیرہ) ڈاؤن لوڈ کر کے انھیں طلبہ سے پُر کرائیں۔

جمیل الدین عالیؔ (۱۹۲۶ء-۲۰۱۵ء)

جمیل الدین عالیؔ کا اصل نام مرزا جمیل الدین احمد خاں ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی وطن لوہارو ہے جو دہلی کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ غالب کے چہیتے شاگرد علاء الدین خان علائی ان کے دادا تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں میٹرک اور ۱۹۴۵ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ پاکستان آ کر پاکستان ٹیکسیشن سروس سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ کراچی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ وہ انجمن ترقیِ اردو پاکستان کی روحِ رواں اور اردو آرٹس کالج کے بعد پہلی وفاقی اردو یونی ورسٹی کے بانیوں میں شامل تھے۔ جمیل الدین عالیؔ بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اور غزل گو، گیت (ملی و قومی نغمے) نگار کے طور پر معروف ہیں۔ انھوں نے دوہے بھی لکھے اور اس صنف میں نام پیدا کیا۔ شاعری کے علاوہ آپ نے نثر نگاری میں بھی کمال حاصل کیا۔ اخبارات میں کالم نگاری کے علاوہ ان کے سفرناموں پر مشتمل کتابیں بھی مستقل حیثیت کی حامل ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر ۱۹۸۹ء میں اِنھیں حکومتِ پاکستان کی طرف سے پہلے صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی عطا کیا گیا اور بعد ازاں ہلالِ امتیاز" سے بھی نوازا گیا۔ جمیل الدین عالیؔ کی نثری تصانیف میں اُن کے دو سفرنامے دنیا مرے آگے اور تماشا مرے آگے شامل ہیں۔ حسد کر چلے، دعا کر چلے اور وفا کر چلے اُن کے اخباری کالموں کے مجموعے ہیں۔ ان کے علاوہ حرفے چند بھی ان کی اہم نثری تصنیف ہے، جو ان کے تحریر کردہ کتب کے مقدمات پر مشتمل ہے۔

جمیل الدین عالیؔ کا انداز بیان صاف، شستہ اور رواں ہے۔ ان کے یہاں زبان کو برتنے کا ایک خاص سلیقہ ہے جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- سفر کے متعلق لکھی جانے والی تحریر کو کیا کہتے ہیں؟
- عراق کا دارالحکومت کون سا شہر ہے؟

پڑھیں

کوفے سے ہم بابل کی طرف چلے۔ ایک پکی سڑک پر کار تیزی سے مڑنے لگی۔
پتا نہیں! بابل کوفے سے کتنی دُور ہے۔ موٹر سے کوئی دو گھنٹے کا راستا ہوگا۔ بغداد سے اس کا فاصلہ کوئی پینتالیس، پچاس میل ہے۔

میر صاحب! میں نے کہا: یہ بابل جانے کا کیا طریقہ ہے؟ ارے بھائی۔ رتھ ہوتے جنھیں ساز و سامان سے آراستہ سفید گھوڑے بڑی شان کے ساتھ کھینچتے ہوئے چلتے۔ ایک دو منزل پڑاؤ ہوتا کہ راتوں کو مشعلیں جلتیں، شعرا اپنے رزمیے سناتے۔ مغنی تانیں لگاتے اور صبح پھر نفیریوں کی گونج میں سفر جاری ہو جاتا۔ ٹھیک کہتے ہو میرے بھائی!!" میر خلیل الرحمن، ایک آہ بھر کر بولے مگر افسوس کہ میں سارا دن رتھ میں کھڑے رہنے کی بہ جائے بیٹھ کر ہی مسافت طے کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ آج کل دس پانچ رتھ بنانے کا آرڈر بھی دیا جائے تو کوئی کمپنی تیار نہیں ہوگی اور سفید گھوڑے تو بالکل نایاب ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ وہاں سیر کرو گے یا ان کھنڈروں پر کوئی نئی سلطنت قائم کرنے کی سوچ رہے ہو؟"

بابل!!!! جس کی قدامت اور عظمت کے بارے میں بے شمار کہانیاں روایتیں، اندازے اور انکشافات کتابِ مقدس کے اوراق سے لے کر ہیروڈوٹس یونانی سیاح جیسے عینی گواہوں اور بیس ویں صدی کے جرمن ماہرین آثار قدیمہ کی کتابوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

بابل!! یہاں وہ کنواں تھا جس میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کو کسی گناہ کی پاداش میں اُلٹا لٹکا دیا گیا تھا، اس کی کہانی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں کو اہلِ بابل کی عیاشیوں اور بداعمالیوں کے انسپکشن یعنی معائنے کے لیے بھیجا تھا مگر بعد میں وہ خود اسی چکر میں پھنس گئے جیسے آج بھی بہت سے محکموں کے انسپکٹر پھنس جاتے ہیں۔ بابل!! جو انسانی تاریخ کے اولین بابوں میں شمار ہوتا ہے۔ جہاں اٹھارویں صدی قبل مسیح یعنی اب سے تین ہزار سات سو برس پہلے شہنشاہ حمورابی نے سوسائٹی کے لیے وہ دستور اور قوانین بنائے تھے جن کے سبب وہ "حمورابی قانون دہندہ" کہلاتا ہے۔ حمورابی کی قانون سازی معاشرتی حقوق و فرائض کی پیچ در پیچ عمارت کی پہلی بنیادوں میں شامل ہے۔ تین ہزار سات سو برس پہلے بہت سے ملک تہذیب تو کیا انسانی آبادی سے بھی محروم تھے۔

مگر جو بابل ہم دیکھ رہے ہیں وہ بخت نصر کا بنایا ہوا بابل ہے کیوں کہ حمورابی کا بابل سولھویں صدی قبل مسیح میں بیرونی حملہ آوروں نے بڑی حد تک تباہ کر دیا تھا اور پھر کم زور سلطنتوں کے عروج و زوال میں اسے صدیوں تک اپنی عظمتِ رفتہ واپس نہ مل سکی۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی قبل مسیح کے طاقت ور شہنشاہ بخت نصر نے اسے دوبارہ بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ بخت نصر نے چوالیس برس حکومت کی اور اُس کے زمانے میں دجلہ و فرات کے درمیان اس اونچی فصیلوں والے شہر سے وہ تہذیب اُبھری جس کی یادیں اور یادگاریں یورپ و امریکہ کی شان و شوکت سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔

بخت نصر دہریہ تھا یعنی خدا یا دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا اور اسی لیے اپنی حوصلہ مندی اور طاقت کے باوجود اپنی قوم میں نامقبول ہو گیا۔ شاید یہی سبب تھا کہ اس کے بعد بادشاہی اس کے خاندان میں قائم نہ رہ سکی اور اس کی موت کے بعد بہت جلد شہنشاہِ ایران سائرس نے بابل پر قبضہ کر لیا۔

ہاں یہ وہی بابل ہے جہاں ہندوستان سے واپسی پر سکندرِ اعظم نے مسلسل تین دن تین رات جشن منایا اور تین دن بیمار رہ کر مر گیا۔ اب وہ بابل کھنڈر ہے۔ آثارِ قدیمہ کا ایک گوشہ ہے اور ہم بیسویں صدی کے کم زور، بے طاقت سیاح اُن محلات کے اِن حصوں میں گھوم رہے ہیں جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں جو ہمیں ان عشرت خانوں میں داخل ہونے سے روک دے، کوئی محتسب نہیں جو ہماری گفت گو پر، ہماری تنقید پر پابندی لگا سکے۔

مجھے بابل کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے ایک عجیب سی آزادی اور خوشی محسوس ہو رہی ہے۔

ہمارا گائیڈ ایک مفلوک الحال عراقی ہے مگر وہ ایک صحت منداور ہنس مکھ آدمی ہے۔ انگریزی صاف اور تیزی سے بولتا ہے۔

ہاں بیٹا بخت نصر!!" وہ چوک میں کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے اب ہم سے بات کرو میں روز غیر ملکی سیاحوں کو تمھارے محلات کی سیر کراتا ہوں اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم اس ملک کے سب سے زیادہ باجبروت بادشاہ تھے۔ تمھاری آنکھ کے ایک اشارے پر موت اور دوسرے پر زندگی رقص کرتی تھی۔ اب بولو بیٹا۔!! میں تمھارے دارالسلطنت کے دل میں کھڑا ہو کر تمھیں القاب و آداب کے بغیر پکار رہا ہوں۔ کہاں ہیں؟ تمھاری سوار اور پیادہ فوجیں کہاں ہیں؟ کہاں ہیں تمھارے خفیہ اور باوردی محتسب، تم ایک مطلق العنان شہنشاہ تھے مگر تم مر گئے اور ختم ہو گئے اور تمھارا جاہ و جلال اور دبدبہ تمھارے ساتھ ختم ہو گیا اور میں ایک چھوٹا آدمی ہوں مگر میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا۔ میں عامی ہوں عام آدمی۔ تاریخ تم پر ہنستی اور مجھ سے شرماتی ہے۔"

بخت نصر کوئی جواب نہیں دیتا کسی سمت سے کوئی تیر نہیں چلتا جو اس کے سینے میں پیوست ہو جائے۔ کوئی تلوار کوئی خنجر نہیں جو اس کی زبان قلم کر دے۔ یہ عراقی گائیڈ مخبوط الحواس سہی مگر اس کی زبان وقت کی زبان ہے جو کٹ نہیں سکتی۔ آج وہ شہنشاہ جس کے نام سے عراق اور شام اور ایران کانپتے تھے ایک معمولی سے گستاخ گائیڈ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہاں موت سب کو آتی ہے مگر وہ اچھی طرح یاد کیے جاتے ہیں جنھوں نے کچھ کام دوسروں کے لیے بھی کیا ہو۔ کل میں امام حسین ؓ کی قتل گاہ بھی دیکھ آیا ہوں جن کی موت اس طرح ہوئی تھی کہ ان کی لاش کو سینکڑوں گھوڑ سواروں نے تپتی ہوئی دھوپ میں روندا تھا اور بخت نصر کی موت اس طرح ہوئی ہوگی کہ بے شمار فوجوں کے پیچھے سیکڑوں کنواریاں ریشمی لبادے پہنے خوش بوئیں لگائے، میٹھی میٹھی آوازوں میں گیت گاتی ہوئی اس کا تابوت کھینچ کر سونے چاندی سے لپے ہوئے مندر میں لے گئی ہوں گی اور لاکھوں روپے اس کی آخری رسموں پر خرچ ہوئے ہوں گے۔

مگر میں امام حسین ؓ کے مزار پر رویا اور روتا رہا اور بخت نصر کے محل پر مجھے ہنسی آتی ہے اور شاید یہ ہنسی عبرت کا ایک ذریعہ اظہار ہے۔

اُونچے اُونچے مکاں تھے جن کے بڑے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
عطر، مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی اُن کے خاک ہوئے

اور ان استخوانوں کی خاک پر کھڑے ہو کر ہم شہر بابل کا تماشا دیکھتے ہیں۔

اس مقام کا سب سے زیادہ پُر اثر منظر بابِ عشتار کا ہے۔ عشتار گیٹ یا اُردو کے چٹخارے میں عشتاری دروازہ جو سرخی مائل پکی اینٹوں کا بنا ہوا کئی گز اُونچا دروازہ ہے۔ گویا وسطِ شہر میں ایک یادگار عمارت تھی جس کے بیچ میں سے ایک شاہراہِ جلوس کوئی نصف میل تک سیدھی چلی جاتی ہے۔ دروازہ عشتار دیوی سے منسوب ہے۔ یہ دروازہ اژدھوں اور جوان بیلوں کی تصویروں سے مزین ہے جو اینٹوں پر کھودی گئی ہیں۔ یہاں سے جو شاہراہِ جلوس سامنے جاتی ہے اس کے دونوں طرف کی دیواروں پر ببر شیروں کے ایک سو بیس نقوش کھود دیے گئے تھے۔ خود بابِ عشتار پر ایک اندازے کے مطابق ساڑھے پانچ سو اژدھوں اور بیلوں کے نقوش بنائے گئے تھے۔ دروازے کے اوپر اس حصے پر جس کے قریب میں کھڑا تھا، رنگ دار چمکیلی اینٹیں چسپاں ہیں۔ ان اینٹوں پر رنگ کی تہ چڑھائی گئی تھی جو پونے تین ہزار برس گزر جانے پر بھی اسی طرح قائم ہے۔ تہذیبِ بابل پر تحقیق کرنے والوں نے سلطنتِ بابل و نینوا کے سیکڑوں آثار اَن گنت کتابوں میں مذکور کیے ہیں جو جان وروں اور انسان نما جان وروں کی تصویروں اور وضاحتی علامتوں سے پُر ہیں۔ یہ

علامتیں طرح طرح کے خوف و عزائم کی کہانیاں سناتی ہیں۔

بابِ عشتار کے جنوب مغرب میں شاہی محلات کا علاقہ ہے جو تیرہ ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک محل کے سامنے کھڑے ہو کر میں بڑی اتراہٹ کے مارے ادھر اشارہ کرتے ہوئے تصویر کھنچواتا ہوں (اور بعد میں اس چھچھپنے پر شرماتا ہوں) یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے بابل کی دولت و حشمت کے غلغلے اس طرح اُٹھے کہ ان کے ارتعاش آج بھی ہمارے ادب میں صاف سنائی دیتے ہیں۔

یہ شہر تقریباً ڈھائی ہزار برس قبل مسیح سے لے کر سکندر اعظم کے زمانے تک پوری ہم عصر اور بعد کی دنیا کے لیے ایک مرقع حیرت بنا رہا۔ جہاں اکادی رسم الخط اور طرزِ تحریر پیدا ہوا، جہاں دنیا کی پہلی انسائیکلوپیڈیا ترتیب دی گئی، جہاں چھتوں پر باغ تھے، ہینگنگ گارڈن، جہاں سڑکیں ایک دوسرے کو سیدھی اس طرح کاٹتی تھیں جیسے نیویارک کی سڑکیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اس وقت یورپ اور امریکہ میں بسنے والی قومیں شاید کھالیں پہن کر ستر پوشی کرتی ہوں گی، جب بابل کے صنعت کار ریشم و سنجاب کے ملبوسات تیار کر کے ہندوستان اور مصر بھیجتے تھے۔

تو یہ ہے بابل!!!! سُرخ پختہ اینٹوں اور نیلی اور زرد چمک دار اینٹوں کا ویرانہ، بے شمار دیوی دیوتاؤں کا معبد، حمورابی اور بخت نصر اور سکندر اور سائرس کا بابل۔ ہاں یہ بابل ہے جو کسی مورخ یا مبصر یا اہلِ دل کے الفاظ میں پہلے شہرِ عظیم تھا اور اب صحرائے عظیم ہو کر رہ گیا ہے۔

اے آنکھوں والو دیکھو اور عبرت پکڑو!!!!!

(دنیا میرے آگے)

مشق

پڑھنا

۱۔ سبق کو پڑھ کر درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

الف۔ میر صاحب نے بابل جانے کا کیا طریقہ بتایا؟

ب۔ میر خلیل الرحمان کے مطابق رتھ میں سفر کرنے میں کیا مشکلات پیش آسکتی تھیں؟

ج۔ مصنف نے بخت نصر اور حمورابی کے متعلق جو معلومات دی ہیں انھیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

د۔ بابل کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے مصنف کو ایک عجیب سے آزادی کیوں محسوس ہو رہی تھی؟

و۔ میں ایک چھوٹا آدمی ہوں، مگر میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا۔'' بخت نصر کے محل کے کھنڈرات میں کہے گئے مفلوک الحال عراقی گائیڈ کے اس جملے کی وضاحت کریں۔

ہ۔ بابِ عشتار کے متعلق مصنف نے کیا کیا معلومات دی ہیں، مختصراً لکھیں۔

۲۔ اگلے صفحے سر سید کے تحریر کردہ مضامین (اپنی مدد آپ، گزرا ہوا زمانہ)، اور '' علامہ اقبال کے خطوط بہ نام قائدِ اعظم '' کے اقتباسات دیے جا رہے ہیں تاکہ آپ اس بات سے آگاہ ہو سکیں کہ سر سید احمد خان نے اپنی تحریروں کے ذریعے کس طرح ہماری سماجی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کی اور علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے درمیان مسلمانانِ ہند کی جدوجہدِ آزادی میں فعال اور متحرک کردار ادا کرنے کے حوالے سے کس حد تک اتفاق اور ذہنی ہم آہنگی تھی۔ ان تحاریر کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر سماجی زندگی کا مطالعہ کریں کہ ہم کس حد تک ان مقاصد کی ترجمانی کرتے ہیں۔

(i)

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان داری اور شخصی ہم دردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سُستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شود غرضی اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، ور حقیقت وہ خود اس شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوششوں سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور و شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ دی جاوے۔ اے میرے عزیز ہم وطنو! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کی سچی ہم دردی اور خیر خواہی کرو۔ (اپنی مدد آپ)

(ii)

یہ سُن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کُود پڑا اور خوشی سے پکارا:

اوہ! یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے، میں کبھی اس بُڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوب صورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا! او خدا! تُو میری مدد کر، آمین!!

پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو اور اے میری قوم کے بچو!! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اس بُڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے۔ اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین!

(گزرا ہوا زمانہ)

(iii)

لاہور، ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء

محترم جناح صاحب!

میرا خیال ہے کہ آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو کا وہ خطبہ جو انھوں نے آل انڈیا نیشنل کونشن میں دیا ہے پڑھا ہوگا اور اس کے بین السطور جو پالیسی کار فرما ہے اس کو آپ نے بہ خُوبی محسوس کر لیا ہوگا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں سے ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ بہ خوبی آگاہ ہیں کہ نئے دستور نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کم از کم اس بات کا ایک نادر موقع دیا ہے کہ وہ ہندوستان اور مسلم ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقی کے پیشِ نظر اپنی قومی تنظیم کر سکیں۔ آپ جلد از جلد دہلی میں آل انڈیا مسلم کونشن منعقد کریں جس میں شرکت کے لیے نئی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم رہ نماؤں کو بھی مدعو کریں۔ اس کونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں کہ سیاسی مطمعِ نظر کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند ملک میں جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔ اگر آپ ایسا کونشن منعقد کر سکیں تو پھر ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی حیثیتوں کا امتحان ہو جائے گا جنھوں نے مسلمانانِ ہند کی امنگوں اور مقاصد کے خلاف جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ مزید برآں ہندوؤں پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی سیاسی حربہ خواہ کتنا ہی عیارانہ کیوں نہ ہو پھر بھی مسلمانانِ ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں چند روز تک دہلی آ رہا ہوں اس مسئلے پر آپ سے گُفت گو ہوگی۔ میرا قیام افغانی سفارت خانے میں ہوگا۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو وہیں ملاقات ہونی چاہیے۔ از راہ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمایئے۔

آپ کا مخلص

اقبال۔ بار ایٹ لا

(علامہ اقبال کا خط بہ نام قائدِ اعظم۔ انگریزی سے اردو ترجمہ محمد جہانگیر عالم)

۳۔ مسئلہ فلسطین رفتہ رفتہ ایک ایسے عالمی مسئلے کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے کہ اندیشہ پیدا ہونے لگا ہے کہ مختلف ممالک کا باہم مسلح تصادم شروع ہو کر تیسری عالمی جنگ کی صورت نہ پیدا کردے۔ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے اسرائیل کے قبضے، تسلط، جارحانہ ظالمانہ کارروائیوں کے حوالے سے عالمی ضمیر مردہ دلی اور بے حسی کا شکار ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری ہے کہ فلسطینیوں کی آزاد ریاست کے حق کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کے ذریعے تسلیم کرایا جائے تاکہ اہل فلسطین اپنے معاشی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی معاملات میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔ جمیل الدین عالی کی لکھی ہوئی درج ذیل تحریر کو پڑھیں اور اس میں موجود عالمی مسئلہ فلسطین کے ذکر کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کے حل کی تجاویز پیش کریں۔

فلسطین کے لاکھوں مہاجر، مختلف عرب ملکوں میں آباد ہو گئے ہیں مگر لاکھوں غیر آباد ہیں اور صرف مہاجر ہیں۔ کہنے کو اقوام متحدہ کا ایک ادارہ برائے مہاجرین فلسطین، قائم ہے جس کا صدر دفتر بیروت میں ہے مگر ان کی حالت ایسے خوش حال شہر میں بھی خراب ہے۔ ان میں سے کچھ ہم مہاجرین کے چھوٹے نوابوں اور سابقہ رئیسوں جیسے مہاجر بھی ہیں۔ انھوں نے ہجرت کو پیشہ بنالیا ہے مگر بیشتر وہ ہیں جو فلسطین میں کھاتے پیتے اور محنت کرتے ہیں۔ فلسطینی مہاجرین کی ہجرت کے واقعات، تقسیم ہند والے فسادات جیسے ہی جاں گداز اور شرم ناک ہیں۔ جب میں ایسی کوئی داستان سنتا ہوں تو روشن اور خوش حال اور حسین بیروت کی کھلی فضائیں میرا دم گھونٹ دیتی ہیں۔

اب میں خوب صورت اور روشن بیوت کی بلند ہوتی ہوئی عمارتوں سے بور ہوتا جاتا ہوں۔ اسٹیڈیم میں دو چار بڑے کھیل ہوئے مگر گرمی سے لوگ بولا گئے ہیں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ پہاڑوں کے ادھر دمشق ہے۔ شام کا دارالخلافہ اور اس سے پہلے بعلبک، جہاں رومنوں کے قدیم آثار ہیں۔ ساٹھ لیرے میں دمشق آنا جانا اور ایک وقت کا کھانا طے ہو سکتا ہے۔ ایک صبح ہوٹل لارڈز میں، ایک یورپیئن جوڑا، دمشق جانے کی تیاری کر رہا تھا اور میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

۴۔ درج ذیل عبارت کو علامات او قاف کا لحاظ رکھ کر پڑھیں۔

کون جارہا ہے پاکستان؟" بڑے چچا نے صحن میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر پوچھا۔ انھوں نے اماں کی باتیں سن لی تھیں۔

میں اور عالیہ جائیں گے اور کسے جانا ہے؟" اماں نے تڑاخ سے جواب دیا۔

کوئی نہیں جاسکتا، میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں نکال سکتا، کس لیے جاؤ گے پاکستان؟ یہ ہمارا ملک ہے، ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت آرہا ہے۔" بڑے چچا سخت جوش میں تھے۔

ماشاءاللہ! آپ بڑے حق دار بن گئے، نہ کھلانے کے نہ پلانے کے، کون سا دکھ تھا جو یہاں آکر نہیں جھیلا، میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا، آپ ہی نے اُنھیں مار ڈالا۔ میری لڑکی کو یتیم کر دیا اور اب حق جتا رہے ہیں۔" مارے غصے کے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔

بڑے چچا میں تو اماں کا واحد سہارا ہوں، میں انھیں کس طرح چھوڑ دوں، وہ ضرور جائیں گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ گھر چھوڑ کر میں کس طرح تڑپوں گی، آپ۔۔۔ تو۔۔۔" وہ دونوں ہاتھوں میں منھ چھپا کر سسکنے لگی۔

لکھنا

رپورٹ، سفرنامے، رُوداد اور یادداشت / آپ بیتی میں فرق:

(i) تجزیاتی رپورٹ:

تحریر کے ذریعے پیش آنے والے واقعات، حادثات کو علمی، ادبی اور فنی خوبیوں کے ساتھ پیش کرنا رپورتاژ کہلاتا ہے۔ گویا حقائق کو مسخ کیے بغیر ادبی

اور فنی خوبیوں کے ساتھ چشم دید واقعات اور حالات پر مبنی تحریر کو رپورٹ یا رپورتاژ کہتے ہیں۔

(ii) سفر نامہ:

سفر نامہ نگاری باقاعدہ ایک صنف کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکی ہے۔ سفری مشاہدات، تجربات اور وہاں کی تہذیب، تاریخ، معاشرتی زندگی اور دیگر اقدار کی بنیاد پر مرتب کردہ روداد سفر نامہ نگاری کہلاتی ہے۔ جب کوئی سفر کے لیے اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک نکلتا ہے تو وہ اپنے سفر کے تمام حالات و واقعات کو قلم بند کرے تو ایسی تحریر کو سفر نامہ کہتے ہیں۔ سفر نامہ کسی علاقے، خطے یا ملک کی تاریخ، جغرافیہ، تہذیب و تمدن اور معاشی و معاشرتی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ یعنی سفر نامہ نگار ایک اجنبی مقام کی سیر کے دوران تحیّر اور تجسّس کی جس کیفیت سے گزرتا ہے اسے افسانوی رنگ دے کر دلچسپ اور معلومات افزا بنا کر قاری تک پہنچاتا ہے۔

اردو ادب میں یہ صنف دورِ جدید میں ترقی یافتہ شکل میں ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اُردو زبان کے پہلے سفر نامہ نگار یوسف کمبل پوش ہیں۔

(iii)۔ رُوداد:

کسی تقریب، اجلاس، مشاعرے یا حادثے کی صورت حال اور کیفیت یعنی جو کچھ وہاں پیش آیا، اسے قلم بند کرنا رووداد کہلاتا ہے۔ رُوداد" فارسی زبان کا لفظ ہے جسے انگریزی میں Reporting کہتے ہیں۔ میٹرک کے طلبہ کو جس رووداد نگاری سے آگاہی دینا مقصود ہے وہ کالج میں منعقد ہونے والے کسی مباحثے، مشاعرے، مذاکرے یا جلسے کی کارروائی کو تحریر کرنا ہے۔ رُوداد میں کارروائی کو اپنے مشاہدے کی بنیاد پر انتہائی اختصار کے ساتھ جامع انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔

(iv)۔ یادداشت / آپ بیتی

ڈائری کو اردو میں روز نامچہ، یاد نگاری اور یادداشت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک انتہائی ذاتی نوعیت کی تحریر ہوتی ہے جس میں لکھنے والے کی دل چسپی، اس کے خیالات، اور شخصیت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ یادداشت اس وقت اہم تصور ہوتی ہے جب اس میں لکھنے والے کے ساتھ ساتھ پڑھنے والے کے لیے بھی دل چسپی کا سامان موجود ہو۔ یادداشتیں لکھنے والا زندگی میں نہ صرف اہم مقام و مرتبے کا حامل ہو بلکہ عوام میں مقبول بھی ہو۔ یادداشتیں یا ڈائری لکھنے والا اپنی ذات کے علاوہ حالاتِ حاضرہ اور دیگر معاملات کو بھی زیرِ بحث لاتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی اور حکیم محمد سعید کی یادداشتیں یا روزنامچے اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

آپ بیتی ایک طرح سے ذاتی احوال اور یادداشتوں کا بیان ہے یعنی ایک شخص جن حالات و واقعات سے گزرا ہوتا ہے، انھیں ادبی تحریر کی صورت میں پیش کر دے تو یہ آپ بیتی کہلائے گی۔ اردو ادب میں، بہت سی دل چسپ آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں۔ آپ بیتی کو خود نوشت بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں اپنی ذاتی کو خود قلمبند کیا جاتا ہے۔ اردو میں قدرت اللہ شہاب، جوش ملیح آبادی، میرزا ادیب، حسرت موہانی، خواجہ حسن نظامی، عصمت چغتائی، امرتا پریتم، ڈاکٹر مبارک علی، قرۃ العین حیدر، شوکت تھانوی، ڈاکٹر وزیر آغا، مشتاق احمد یوسفی، کرنل محمد خان، صدیق سالک اور مولانا محمد تقی عثمانی کے علاوہ متعدد ایسے نام لیے جاسکتے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے منفرد اسلوب میں آپ بیتی لکھ کر اردو زبان و ادب کو زرخیز بنایا۔ آپ بیتی کی دو اقسام ہو سکتی ہیں یعنی شخصی آپ بیتی، نصابی آپ بیتی۔

سرِ دست ہمارا موضوع نصابی آپ بیتی ہے جو کہ فرضی، خیالی یا غیر انسانی آپ بیتی ہے۔ اس قسم کی آپ بیتی میں یہ بات فرض کر لی جاتی ہے کہ کسی چیز کو قوتِ گویائی مل گئی ہے اور وہ اپنی زندگی کی مفصل رُوداد بیان کر رہی ہے۔ آپ بیتی صیغہ واحد متکلم میں لکھی جاتی ہے یعنی میں، مجھے، میرے جیسے الفاظ استعمال کرنا۔ مثال کے طور پر: میں ایک کرسی ہوں، میں ایک کمپیوٹر ہوں۔ اس سرگذشت میں زندگی کا آغاز و ارتقا اور مختلف حالات و واقعات کا ذکر ہوتا ہے۔ ایک اچھی آپ بیتی کو سادہ مگر دل چسپ اور بے ساختہ ہونا چاہیے جس میں معلومات اور مشاہدہ، قوتِ تخیل، تحریری مشق جیسی باتوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ آپ نے کسی تفریحی یا تاریخی مقام کی سیر کرنے کی غرض سے سفر کیا ہو گا۔ اس کی سفری روداد یا معلوماتی رپورٹ تیار کریں جس میں درج ذیل معلومات موجود ہوں:

- یہ سفر یا روداد کس تاریخ یا دن کی ہے؟
- سفری روداد کس مقام کی ہے؟
- سفر میں شامل لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟
- یہ سفر کتنے دورانیے پر مشتمل ہے؟
- سفر میں شرکا کس حد تک محظوظ / لطف اندوز ہوئے؟
- سفر کا اختتام کن جذبات و احساسات / تاثرات کے ساتھ ہوا؟
- سفری روداد یا معلوماتی رپورٹ لکھ کر کلاس کے دیگر طلبہ کو سنائیں۔

THIS FORM IS FOR OFFICE RECORD ONLY AND WILL NOT BE USED AS BIRTH REGISTRATION CERTIFICATE

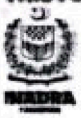

NADRA

درخواست فارم برائے کمپیوٹرائزڈ برتھ رجسٹریشن

English			Urdu
Applicant's Name	______	______	درخواست دہندہ کا نام
Applicant's CNIC No	______	______	درخواست دہندہ کا شناختی کارڈ نمبر
Child's Name	______	______	بچے کا نام
Relation	______	______	بچے کا درخواست دہندہ سے رشتہ
Gender	______	______	جنس
Religion	______	______	مذہب
Father's Name	______	______	والد کا نام
Father's CNIC No	______	______	والد کا شناختی کارڈ نمبر
Mother's Name	______	______	والدہ کا نام
Mother's CNIC No	______	______	والدہ کا شناختی کارڈ نمبر
Distt./Cantt Area of Birth	______	______	پیدائش کا ضلع / چھاؤنی
Date of Birth	______	☐ ہسپتال ☐ گھر ☐ دیگر	جائے پیدائش
Vaccinated	☐ Yes ☐ No	______	حفاظتی ٹیکے
Disability	______	______	معذوری
	______		پتہ
Address	______		
District	______ ضلع	______	نمبر
	______ تاریخ	______	دستخط درخواست دہندہ

برائے دفتری استعمال

☐ مکمل ☐ نامکمل

دستخط سیکرٹری ______ تاریخ ______

نام ______

☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐

۶۔ روز مرہ زندگی میں ایک شہری کی حیثیت سے معلومات کی فراہمی یا حصول کے لیے شناختی کارڈ فارم، ریلوے رعایت کرایہ نامہ، بینک اکاؤنٹ فارم اور دیگر دستاویزی فارم وغیرہ پُر کرنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اگرچہ فی زمانہ زیادہ تر چیزیں آن لائن یا کمپیوٹرائزڈ ہو چکی ہیں اور متعلقہ محکمے اپنے ڈیٹا انٹری آپریٹرز کے ذریعے ہی آپ کی معلومات کا اندراج آپ سے پوچھ کر ہی کرتے ہیں لیکن ذاتی طور پر معلومات کی فراہمی یا حصول کی ضرورت بھی درپیش رہتی ہے۔ کم و بیش تمام متعلقہ فارم سرکاری اداروں کی ویب سائیٹ سے بآسانی ڈاؤن لوڈ کیے جا سکتے ہیں۔ آپ کو جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی لیں۔ آپ کی رہ نمائی کے لیے گزشتہ صفحے پر نمونے کا فارم دیا گیا ہے۔ اسے اپنے استادِ محترم/استانی صاحبہ کی نگرانی میں پُر کریں۔

۷۔ (i) اتوار کے دن کسی اخبار کا میگزین لیں اس میں موجود آپ بیتی، سفر نامہ، معلوماتی رپورٹ، یادداشت وغیرہ میں سے کسی ایک کو غور سے پڑھیں اور اس میں سے درج ذیل معلومات حاصل کر کے اسے اپنے الفاظ تحریر کریں۔

الف۔ تحریر لکھنے والے کا نام کیا ہے؟ ب۔ تحریر کا موضوع کیا ہے؟

ج۔ تحریر کے مخاطب کون ہیں؟ (طلبہ/اساتذہ/کاروباری طبقہ/سیاست دان/علمی ادبی حلقہ/عوام الناس)

د۔ تحریر میں کس شہر/گاؤں/آبادی کا ذکر ہے؟

(ii) ایک پرانے کوٹ کی آپ بیتی لکھیں۔

(iii) ایک طالب علم کی ایک دن کی ڈائری/یادداشت تحریر کریں۔

۸۔ مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۲۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں جس میں سکتہ، وقفہ، رابطہ، ختمہ، واوین، قوسین، استفہامیہ جیسے رموزِ اوقاف کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہو۔

i۔ قدرتی وسائل کا تحفظ ii۔ سوشل میڈیا کے آداب

iii۔ حقوقِ نسواں iv۔ قانون کا احترام اور پابندی

سرگرمی

1۔ ابنِ انشا کے لکھے ہوئے سفر نامے "ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں" یا جمیل الدین عالی کے لکھے ہوئے سفر نامے "دنیا میرے آگے" کو عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے حوالے سے غور سے پڑھیں اور ان سے بالخصوص عراق، بیروت اور لندن کے متعلق معلومات اخذ کریں۔